میرا درد کیسے غزل ہوا

(شاعری)

صفیہ سلطانہ

کتاب بہترین ساتھی ہے، اس کی حفاظت کیجئے

ISBN: 978-969-7578-

زیرِ مطالعہ کتاب شاعرہ محترمہ صفیہ سلطانہ کے ایما پر شائع کی گئی ہے اور اس کے جملہ حقوق اور ذمہ داری انہی کو مستحسن ہے۔ ادارہ اردو سخن ڈاٹ کام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ قارئین تک بہترین اور اغلاط سے پاک ادبی مواد پہنچایا جائے اور اس ضمن میں ہر امکانی کوشش کو بروئے کار لایا جاتا ہے تاہم غلطی کی نشاندہی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی درستی کی جائے۔

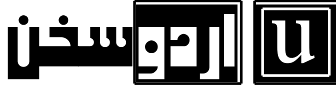
(ادارہ)

اردو شعری مجموعہ

میرا درد کیسے غزل ہوا

صفیہ سلطانہ

urdusukhan@urdusukhan.com www.urdusukhan.com



آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون: 0302-7844094

اسٹاکسٹ: ادارہ فکرو دانش، الحمد پلازہ، اردو بازار لاہور

شریف اکیڈمی
جرمنی

استحقاق: تمام تصرفات "شاعرہ" کی تحویل میں ہیں
ISBN: 978-969-7578-11-5

- کتاب: میرا درد کیسے غزل ہوا
- شاعرہ: صفیہ سلطانہ
- سکونت: جیکب آباد
- تعداد: 500
- نمودِ اول: اگست 2017
- سرورق: ناصر ملک
- ناشر: اردو سخن، پاکستان 0092 302 744094
- مشاورت: ادارہ فکر و دانش، الحمد پلازہ، اردو بازار، لاہور
- طباعت: شیر ربانی پریس، ملتان
- اعزازیہ: 300 روپے، 10 پونڈ، 10 یورو
75 کراون، 10 ڈالر، 15 سعودی ریال

اردو سخن
www.urdusukhan.com
urdusukhan@urdusukhan.com

Under the Organization of:
Sharif Academy
Germany

اِنتساب

مثلِ شفق وہ شخص ہے اور نام ہے شفیق
جذبے ہیں جس کے صادق اور سوچ ہے عمیق
علم و ادب کے شہر کا یوں پاسبان ہے
ہو موتیوں کے درمیاں جیسے کوئی عقیق

شہرِ مراد کو آباد کرنے والے

شفیق مراد

کے نام!



MERA DARD KAISAY GHAZAL HOA

(A Book of Poetry)

By

Safia Sultana

Name of Book:	**Mera Dard Kaisay Ghazal Hoa**
Poetess:	**Safia Sultana**
Edition:	First August 2017
Publisher:	Urdu Sukhan, Pakistan Art Land, Girls College Road, Urdu Bazar, Chowk Azam, Layyah Punjab-Pakistan +92 302 78 440 94
Stockist:	Adara Fikr-o-Danish, Al-Hamd Plaza, Urdu Bazar Lahore, Pakistan
Printer:	Sher-e-Rabbani Press, Multan
Title:	Nasir Malik
Contacts:	UN: Muzaffar Ahmad Muzaffar +44 741 106806 Germany: Shafiq Murad +89 89 170 788 02 Pakistan: Wilayat Ahmad Farooqi +92 300 88 000 32

Price: PKRs. 300.00 – GBP: 10 – US Dollar: 10 – SAR: 10 – Kr. 75



Under the organization of

Sharif Academy Germany

فہرست



درد و محبت کی شاعرہ

فرزانہ فرحتؔ ۔لندن

''میرا درد کیسے غزل ہوا'' صفیہ سلطانہ کا سادہ، آسان اور ہلکے پھلکے انداز میں اپنی ذات کے اظہار کو اشعار میں ڈھالنے کا عمل ہے۔ اس نے دنیا کے دکھوں کو قریب سے دیکھا تو دکھوں کے پس منظر میں مخفی انسانی مجبوریوں اور محرومیوں کا مشاہدہ کیا انہیں اپنی ذات میں جذب کیا تو اظہارِ ذات شاعری کی صورت میں صفحہ ذہن سے صفحہ قرطاس پر منتقل ہوا۔جو درد کا سنگیت بھی ہے اور غموں کا گیت بھی۔اسے کبھی زندگی لق و دق صحرا کی طرح محسوس ہوتی ہے جس میں تشنہ لبی ہے سراب ہے لیکن منزل کا نشان نہیں جہاں چاند بھی مدہم نظر آتا ہے، ستارے ٹوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور سورج اپنی تمام تر تابانیوں کے باوجود اداس اور گہن زدہ نظر آتا ہے۔ایسی آبلہ پائی میں خواب بھی عذاب کا منظر پیش کرتے ہیں۔

خود کو ہم نے جو خواب میں دیکھا
اک مسلسل عذاب میں دیکھا

یہ عذابِ مسلسل کیا ہے جب ملک کے گلی کوچوں میں ہر سو آسیب کے سائے چھائے ہوں شہر اپنی بربادی پر ماتم کر رہے ہوں اور گاؤں اپنی محرومیوں پر۔ دلوں سے اٹھنے والی نفرت کی آگ گلی کوچوں اور کھیت کھلیانوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر راکھ بنا رہی ہو۔ تہذیب او رمعاشرت دم توڑ رہی ہو۔ تو شاعر کا دل نوحہ کناں ہوتا ہے اور اسے زندگی کا ہر موسم تاریک او راو رہر خواب عذاب لگتا ہے۔ زندگی اسے ''سہمی ہوئی چڑیا'' کی مانند محسوس ہوتی ہے تو کبھی اسے ''ہوائیں بین کرتی'' ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ ہواؤں کو خوشی و سرشاری سے جھومتے تو دیکھا ہے۔ نسیمِ سحر میں بلبلوں کے نغمے تو سنے، ہواوں سے محبوب کی خوشبو پیغام بنکر آتی ہے۔ یہ تو سنا تھا کہ ہوائیں مسرت کے گیت گاتی ہیں۔ ہاں ہواؤں کے قہر کو طوفان میں ڈھلتے بھی دیکھا ہے لیکن کبھی ہواؤں کو بین کرتے نہیں دیکھا صفیہ سلطانہ جیسی حساس اور نرم و نازک دل رکھنے والی شاعرہ نے ان ہواؤں کا بین سنا ہے کہ جب شہرِ ستمگر سے آہ فغاں کرتی ہوئی ہوائیں صفیہ سلطانہ کے درِ دل پر دستک دے کر اسے مظالم کی داستانِ خونچکاں بیان کرتی ہیں۔ تو وہ ہواوں کے اس بین کو محسوس کرتی ہے۔ وہ ہوائیں بادلوں کے ساتھ آنسو بہاتی ہیں تو شاعرہ بے اختیار کہہ اُٹھتی ہے

''ہوائیں بین کرتی ہیں''

ان کی یہ نظم اسی بین کی منظر کشی ہے۔ کہ صفیہ سلطانہ کا دل صبح کا اخبار پڑھتے ہی دہل جاتا ہے۔ مساجد میں بم دھماکے، امام بارگاہوں میں بم دھماکے۔ اسکولوں میں بم دھماکے۔ نمازی خدا کی بارگاہ میں سجدہ کرتے ہوئے زندہ جلا دیے گئے او رمعصوم بچے اسکول میں اپنا سبق یاد کرتے ہوئے شہید کر دیے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاشوں کے انبار لگ گئے یہ سب دیکھ کر اسے نسیم صبح بھی بین کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے میں ہوائیں صرف بین ہی کر سکتی ہیں او ر دل ماتم کناں ہوتا ہے۔ خوشیاں روٹھی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ وہ ان

اندوہناک واقعات کو قلمبند کر کے مناظر کی سچی لیکن خون آلو دتصویر پیش کرتی ہے۔

کسی بستی میں کوئی آفت جب چپکے سے آجائے
کسی مسجد میں کوئی اسلحہ جب باندھ کر آئے
ہوائیں بین کرتی ہیں
امام بارگاہوں میں عبادت کا سماں ہو جب
کسی خودکش دھماکے سے قیامت کا سماں ہو جب
ہوائیں بین کرتی ہیں

ہوائیں ضرور روتی اور بین کرتی ہوں گی جب انسانی درندوں نے بچوں کے اسکول میں گھس کر معصوم بچوں کے نرم و نازک جسم گولیوں سے چھلنی کیا ہوگا۔ ہوائیں اس وقت بھی بین کر رہیں ہونگی جب کوئی بچہ دشمن کے خوف سے ڈر کر اپنی ماں کے آنچل کی پناہ ڈھونڈتا ہوا لاش بن کر گر گیا ہوگا۔ اور مرنے سے پہلا اس بچے نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ

مرا جی چاہتا ہے ماں تری آغوش میں آؤں
میں بچ کر ان درندوں سے ترے سینے سے لگ جاؤں

لیکن یہ دنیا خوشی وغم کا تماشہ ہے۔ یہاں کبھی جسم لہولہان ہوتے ہیں تو کبھی دل۔ یہ الگ بات کہ جسم کے گھاو دکھائی دیتے ہیں دلوں کے روگ نظر نہیں آتے۔ اور انسان تڑپ تڑپ کر جان سے دیتا ہے۔

ہر شاعر کی طرح صفیہ سلطانہ کا دل محبت کے لطیف جذبوں سے آشنا ہے۔ وہ اپنی شاعری میں عورت کے نرم و نازک جذبات کا اظہار مختلف انداز سے کرتی ہے۔ جس میں دوسرے کو اپنانے کی کیفیت بھی ہے اور خود سپردگی کا عالم بھی۔ وہ چاہے جانے کی دولت کی اہمیت کو بھی سمجھتی ہیں اور کسی کو چاہنے کی اہمیت کو بھی۔ محبت میں وصل کی تمنا، فراق کی لذت

سے آشنائی ،روٹھنا، ماننا اور روٹھے ہوؤں کو منانا، کبھی محبوب کے ناز اُٹھانا اور کبھی اپنی ذات کی اہمیت اجاگر کرنا۔اس کی شاعری میں محبت کے سبھی رنگ ملتے ہیں۔اس کے یہ اشعار اپنی لطافت وسلاست کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔

پہلے تو ہوتی تھی اُس سے سرسری سی گفتگو
پھر مجھے ایسا لگا کہ جاں سے پیارا ہو گیا
چاند تارے بھی مجھے حیرت سے یوں تکنے لگے
اُس نے مجھ سے جب کہا تھا میں تمہارا ہو گیا

اور''ہاں''اور''نہ''کی کیفیت ،روٹھنے اور مان جانے کی کیفیت کو یوں بیان کرتی ہے۔

ہم نے سوچا تھا کریں گے عشق ہم نہ بھول کر
کیا کریں کہ عشق پھر تم سے دوبارہ ہو گیا

اس کو پانے کے اب سبھی جذبے
پھر مچلنے لگے ہیں آنکھوں میں

وہ درد کے ساتھ ساتھ محبت کی شاعرہ ہے جو محبتوں کو تقسیم کرنے محبتوں کو بانٹنے اور محبت کو حاصل کرنے پر یقین رکھتی ہے وہ جانتی ہے کہ کائنات کا خمیر محبت سے اُٹھا اسی لئے وہ محبت کو زندگی کا جزو لاینفک خیال کرتے ہوئے کہتی ہے۔

میں وقت کا صحرا ہوں مری پیاس بہت ہے
اب دل پہ کرو پیار کی برسات مسلسل
؎ وہ مخاطب جب ہوا بس سرسری سی بات کی
اس کے لہجے میں کوئی بھی پیار کا طوفاں نہ تھا

محبت کی بے اعتنائی، بے رخی، لاپروائی، سرد مہری اور جذبوں پر جمی ہوئی برف کو دیکھتی ہے تو اس کو اپنے لفظوں کا پیرہن کچھ اس طرح عطا کرتی ہے۔

کس شرط پہ اس نے بھلا بازی لگائی
وہ شخص کسی ہارے جواری کی طرح ہے

ان کے جذبوں میں یہاں برف جمی ہے یارو
وہ تو رخ موڑ کے اپنے میں مگن جاتے ہیں

محبت وہ جذبہ ہے جو دل کو اجالوں سے روشناس کراتا ہے۔محبت جس دل کو نصیب ہو جائے وہ چاند ستاروں کو چھولیتا ہے۔اپنی مٹھی میں دنیا کی دولتیں محسوس کرتا ہے۔لیکن جو دل محبت سے خالی ہو وہ تاریک اور ویران کھنڈر جیسا ہی ہوا کرتا ہے۔انسان بے بس ہو جاتا ہے اپنے اندر ایک انجانی کمی اور کم مائیگی محسوس کرتا ہے۔تاہم صفیہ کے اندر کا توانا انسان اس کی نہ صرف ڈھارس بندھاتا ہے بلکہ اسے توانائی عطا کرتا ہے وہ اپنے اندر طاقت اور خود اعتمادی محسوس کرتی ہے اور اسی خود اعتمادی سے خود شناسی کا سفر کرتی ہوئی بے اختیار کہتی ہے۔

محبت کے حوالوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو
محبت کرنے والوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو
سفر یہ زندگی کا تیرگی میں کٹ گیا میرا
سو ان وقتی اجالوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو

وہ عشق کی طاقت سے آشنا ہے اور جانتی ہے کہ عشق کی آگ عاشق کی ہستی کو فنا کر کے امر کر دیتی ہے۔لیکن کن کن مراحل سے اس کا یہ سفر تہہ ہوتا ہے یہ تو عشق میں مبتلا ہونے والا

دل ہی جانتا ہے ۔جو کبھی وصل کی حسین لمحوں کو پل بھر میں گذرتا محسوس کرتا ہے تو کبھی جدائی کی راتوں کی طوالت سانپ بن ڈستی ہے جدائی کے لمحے عاشق کو کائینات کے درد سے آشنائی کی دولت عطا کرتا ہے ۔صفیہ سلطانہ مریضِ عشق کی کیفیت کو یوں بیان کرتی ہے

عشق کا مرض یوں لگا طبیب کچھ نہ کر سکے

آخر مریض چل بسا گرچہ دوا ہزار دی

صفیہ سلطانہ کا یہ مجموعہ کلام زندگی کے سبھی رنگوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے ۔آغاز وہ حمد و نعت سے کرتی ہیں ۔حمد لکھتے ہوئے اس کا قلب و ذہن اللہ تعالی کی بے حد رحمتوں اور برکتوں کے سامنے بے بس ہے ۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظارے ہر سمت بکھرے پڑے ہیں ۔ بلند و بالا پہاڑ، سرسبز باغات ، نیلے آسمان کے نیچے گہرے پانیوں کے سمندر اور سمندر میں آباد رنگ برنگی مخلوق خدا کی حمد میں محو ،غرض اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے کہ جن کا بیان کرنا ناممکن ہے ۔کائنات ذرہ ذرہ اس کی حمد وثنا میں مصروف ہے ۔اس لئے جب صفیہ نے حمد لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو اسے اپنی بے بسی کا احساس ہوا کہ الفاظ گنگ تھے اور زبان خاموش، وہ سوچنے لگیں کہ:

کہاں تابِ قلم

کرسکوں میں رقم

تیری حمد وثنا

اے مرے کبریا

اور پھر خدا کے روپ میں سجی ہوئی اپنی ماں کی دعاؤں کی روشنی بھی لفظ لفظ بیان کی کہ:

ماں کو اس کے سوا نہیں آتا

میرے ماتھے پہ بس دعا لکھنا
میرے ماتھے کے جگنو چمکتے رہیں
اپنی ماں کی یہی اک دعا یاد ہے

پھر غمِ دوراں، غمِ جاناں، غمِ عشق، غمِ انساں، کیفیاتِ محبت اور وارداتِ قلبی کا اظہار اس کے اس مجموعہ کلام میں ملتا ہے۔ صفیہ سلطانہ کی شاعری ایک معصوم دل سے نکلی ہوئی آواز ہے ایک بازگشت ہے سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر واپس آتی اور دل کے نرم تاروں کو چھوتی ہے۔ اس کا درد جب دل کی زمین پر خیمہ زن ہوتا ہے تو غزل کا روپ دھار کر اہلِ قلم، اہلِ سخن ،اہلِ علم کے سامنے ''میرا درد کیسے غزل ہوا'' کی صورت ظاہر ہو کر درد کی دولت کو عام کرتا ہے ۔میری دعا ہے کہ صفیہ سلطانہ ہمیشہ کی طرح ترقی کی راہوں پر گامزن رہے۔ اور اس کا یہ مجموعہ کلام اہلِ نقد و نظر کی بصری و قلبی تسکین کا باعث ہو۔

آمین!



میرا درد کیسے غزل ہوا

صفیہ سلطانہ

زندگی ایک سفر ہے اور سفر زندگی کا مقدر ہے۔ زیست کے اس سفر میں کئی پڑاؤ آتے ہیں مگر سفر جس کی پیشانی پر مشقت کی مہر ثبت کر دے وہ سنگِ میل پہ رک کر سانس بھی نہیں لے سکتا۔ سفر اور وہ بھی صحرا کا' العطش کی صداؤں کی بازگشت رکنے پہ نہیں دوڑنے پہ آمادہ کرتی ہے۔ آبلے پیروں کے کسی خار کے منتظر ہوتے ہیں۔ یہی آبلے کسی خار سے لپٹ کر پھوٹ جائیں تو درد اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ درد جب حد سے بڑھ جائے تو کبھی غزل بن جاتا ہے اور کبھی دوا۔ ذرا رک کے سنیے تو

میرا درد کیسے غزل ہوا

درد جب حد سے گزر جائے تو دوا ہوتا ہے

درد ہجر کے صعوبتیں سہہ کر دل کے نہاں خانوں میں جا گزیں ہو کر قطرہ قطرہ کہسار جاں پہ گرتا رہتا ہے اور شگاف کرتا رہتا ہے۔ یہی قطرے کبھی اشک بن کر چشمِ گریہ سے رواں ہوتے ہیں تو کبھی مصرعے میں ڈھل کر غزل کا روپ دھارتے ہیں۔ تب ہی شاید اچھا شعر تخلیق پاتا ہے۔ سو درد میرا ساتھی غم میرا رفیق اور کرب میرا ہمنوا ہے۔

ہوا چراغ کی دشمن ہے مگر کچھ چراغوں کی حفاظت ہوا خود کرتی ہے ایسے چراغ گل ہو جائیں تو ہوا ہاتھ ملتی ہے۔ ہوا یہی تاسف اچھے شعر کا محرک بنتا ہے۔

غمِ دوراں ہو کہ غمِ جاناں۔ شاعری ان تمام احساسات کا احاطہ کرتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ یہاں صنف کی درجہ بندی ہے بالخصوص خاتون شاعرہ کیلئے زمانے کا قدغن اسے دل کی بات کہنے پر سنگسار بھی کر دیتا ہے۔ تاہم میں نے اس روایت سے بغاوت کی ہے...... کیونکہ

الگ الگ ہیں گناہ و ثواب کے مفہوم
رموزِ عشق ہیں اے شخص دینیات نہیں

بحر کیف درد کے اس بحرِ بیکراں سے چند موتی جو میری طرح بدقسمتی سے سیپ نہ بن سکے کتاب کی طشتری میں سجا کر لائی ہوں۔

شکن شکن تیری یادیں ہیں میرے بستر کی
یہ میرے شعر نہیں کروٹیں ہیں شب بھر کی

اس کتاب کی کو منصہءِ شہود پر لانے میں شفیق مراد کا دامن مراد میرے ساتھ معاون رہا۔ یہی نہیں بلکہ ان کی حوصلہ افزائی میرے جذبہَ شوق کو ہوا دیتی اور مجھے منزلِ مراد کی جانب گامزن رکھتی ہے۔ سچ پوچھیئے تو میرے پاس بجز اس کے کوئی دادِ تحسین نہیں کہ میں یہ کتاب ہی ان کے نام معنون کر دوں مگر اس سے بھی ان کی محبت کا حق کہاں ادا ہوگا۔

اشعار کی نوک پلک سنوارنے کیلئے محترم طارق واصفی صاحب کی تہہ دل سے شکرگذار ہوں۔ ناصر ملک صاحب نے جس محبت اور محنت سے اس کتاب کو آپ کے مطالعے کیلئے ترتیب و تزئین کی یہ انہی کا خاصہ ہے کہ وہ بہت خاص ہیں۔

۞

صفیہ سلطانہ کا قلمی سفر

نام:	صفیہ سلطانہ مغل
ادبی نام:	صفیہ سلطانہ
تاریخ پیدائش:	یکم جنوری (جیکب آباد)
مادری زبان:	اردو
مسکن:	جیکب آباد، سندھ، پاکستان
تعلیم:	ایم۔اے (اردو)۔ایم فل
منصب:	نگران شعبہ اُردو، گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج جیکب آباد
رابطہ:	فون: 0333-7331943 0345-3281629 0722-653836
ای میل:	safia_mughal@hotmail.com

صفیہ سلطانہ نے ایک علمی اور ادبی مغل گھرانے میں آنکھ کھولی جہاں گڑیوں کی

بجائے طاق میں بھی کتابیں ہی سجی ہوئی نظر آئیں۔ والد احمد نور ثاقبؔ اور چچا عجائب نور مغل شاعر تھے۔ ان کی شفقت، محبت، اور علم دوستی کی وجہ سے کتاب اور قلم سے عشق ہو گیا۔ سو بچپن سے ہی اس سفر کا آغاز ہو گیا۔

کلاس پنجم میں پہلی کہانی، کہانیوں کے مقابلے بہ اہتمام ''رسالہ نور'' کے لئے ''فاصلہ'' لکھی جس پر پہلا انعام ملا۔ بعد از اں خواتین کا اسلامی، اصلاحی اور ادبی پرچہ ''بتول'' کے لئے نظمیں اور افسانے لکھے۔ ابتدا میں پروفیسر فروغ احمد صاحب کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ابتدائی شاعری کی اصلاح فروغ احمد صاحب نے کی۔ بعد از اں محسنؔ بھوپالی اور پھر معینؔ اختر نقوی صاحب نے اصلاح کی۔ شعور کی منزل طے ہونے کے بعد پاکستان کے معروف شاعر اور ادیب احمد ندیمؔ قاسمی صاحب کے ادبی مجلہ ''فنون'' سے اس قلمی سفر کا آغاز ہوا۔ جن رسائل نے ان کی تحریروں کے لئے درِ دل کشادہ کیا، یہ ہیں:

نور، بتول، شمع، شعاع، سیپ، فنون، چٹان، دائرہ، اخبارِ جہاں، جنگ، خواتین کا ادبی صفحہ، حریت، جسارت، مڈویک میگزین، آداب عرض، عورت ڈائجسٹ، سرگزشت، کرن، ریڈیو کا رسالہ آہنگ، سچی کہانیاں، دوشیزہ وغیرہ۔ انہیں شاعری، افسانہ نگاری، ٹیلی پیتھی تحریر شناسی، ہپناٹزم، مسمریزم اور دست شناسی جیسے علوم سے شغف رہا۔ انہوں نے بطور کہانی کار، شاعر۔ افسانہ نگار، تمثیل نگار (اسٹیج، ریڈیو، ٹیلویژن)، ناول نگار، محقق، کالم نگار، سفر نگار، کمنٹریٹر (ہاکی، کرکٹ)۔ صداکار، براڈ کاسٹر، کمپیئر، سکرپٹ رائیٹر (ریڈیو حیدرآباد، خیرپور، کراچی) ادبی و فنی خدمات سرانجام دیں۔

ان کی تخلیقات کا سفر یوں قلم بند کیا جا سکتا ہے۔

وہ اک تارا محبت کا	شعری مجموعہ
میرا درد کیسے غزل ہوا	شعری مجموعہ

مُشتِ خاک کا سفر	کہانیاں اور افسانے
میرے ساتھ سوئے حرم چلو	سفرنامہ
کہانیاں، افسانے	۱۴۲
ناول	۰۲
ناولٹ	۰۵
ریڈیو ڈرامے	۳(۲، اردو۔ایک سندھی)
ٹی وی ڈرامے	انڈس ویژن
	دیپک
اسٹیج ڈرامے	۰۲
سکرپٹ/ مزاحیہ خاکے	۵۰

ان کی ادبی وفنی خدمات پر عطا ہونے والے اعزازات یہ ہیں:

۱۶،سال کی عمر میں پہلی ناول نگار کا اعزاز۔۔۔''کشتیاں سب جلا دیں''

جیکب آباد کی پہلی صاحبِ کتاب شاعرہ

بیسٹ رائیٹر ایوارڈ۔۔۔ٹیلنٹ کلب۔۔۔لاہور

بیسٹ سندھی ڈرامہ، کمپیئرنگ، صداکار۔ریڈیو پاکستان خیرپور

شعری مجموعہ''وہ اک تارہ محبت کا'' پر اعلانِ سحر اسلام آباد کی جانب سے بہترین شاعرہ کا اعزاز۔

مہر ادب کوئٹہ، کی جانب سے سالِ رواں کا بہترین شعری مجموعہ

شعاعِ ادب، آزاد کشمیر کی ادبی تنظیم کی جانب سے سانحہ زلزلہ اکتوبر ۲۰۰۸ کی منظومات پر اہلِ قلم ایوارڈ۔شریف اکیڈمی جرمنی 2013

قلم قافلہ ایبٹ آباد کی جانب سے توصیفی سند

جیکب آباد لٹریسی سوسائیٹی کی جانب سے توصیفی سند

بیسٹ ٹیچر ایوارڈ بدست، وزیرِ تعلیم پیر مظہر الحق صاحب ورلڈ ٹیچر ڈے ۰۵، اکتوبر ۲۰۱۱ء

اعزازی ڈگری از اں خیر پور یونیورسٹی۔ سندھ



حمدِ باری تعالیٰ

کہاں تابِ قلم
کرسکوں میں رقم
تیری حمد وثنا
اے مرے کبریا!

حاکمِ بحر و بر
ہو کرم کی نظر
مالکِ جسم وجاں
تو یقیں، میں گماں

تیری توصیف کو
تیری تعریف کو
لفظ ملتے نہیں
لب بھی ہلتے نہیں

میں سراپا خطا
تو سراپا عطا
مانا عاصی ہوں میں
کیونکہ خاکی ہوں میں

ہاں گنہ گار ہوں
میں خطا کار ہوں
ہے مری التجا
بخش دے اے خدا!



نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نصاب دو جہاں کا ہمیں وہ پڑھا دیا
جس کی ہر ایک بات نے رب کا پتہ دیا

یہ ہے بجا کہ آپ ہی امی تھے اور نبی
عالم تمام لوگوں کا ان کو بنا دیا

ملنے خدا سے جب وہ معراج پر گئے
فرشتوں نے آسمان کو دلہن بنا دیا

اس خطہ زمین کی قسمت سنور گئی
سینے میں جس نے آپؐ کا مدفن کا بنا لیا

تیرے ہی نقشِ پا پہ چلیں گے مرے حبیبؐ
اللہ نے قرآن میں ہم کو بتا دیا



اشکوں کو ٹھکانہ چاہیے تھا
مجھے رونے کو شانہ چاہیے تھا

ذرا سی بات پر وہ مجھ سے روٹھا
بچھڑنے کو بہانہ چاہیے تھا

گیا ہے ہجر کی سوغات دے کر
مجھے ایسا خزانہ چاہیے تھا؟

چلو اپنے تیری محفل میں آئے
نہ مجھ کو یوں اٹھانا چاہیے تھا

وہ نہ آیا اگرچہ عید پر بھی
محرم پر تو آنا چاہیے تھا

میرے اشکِ رواں کو آج شب پھر
وہی تکیہ پرانا چاہیے تھا



مجھ سے ملنے آتا، تو کیا جاتا
جو دل میں تھا وہ واہمہ جاتا

بعد مرنے کے میری تربت پر
آ کے دو پھول تو چڑھا جاتا

مری موت کی خبر نہ ملی اس کو
ورنہ اک حشر وہ اٹھا جاتا

زخم میرے پکارتے ہیں اسے
نمک آ کر انہیں لگا جاتا

زہر امرت سمجھ کے پی لینا
حق کی جانب ہے راستہ جاتا



اسے تم فون مت کرنا
وہ اپنے گھر گیا ہوگا

میرے قتل کا الزام
اسی کے سر گیا ہوگا

وہ ملنے کو نہیں آیا
عدو سے ڈر گیا ہوگا

مرے اشکوں سے اب یارو
سمندر بھر گیا ہوگا

تمہارے پیار سے صفیہؔ
دل اس کا بھر گیا ہوگا



خفا وہ ہو گیا شاید
یا تھک کے سو گیا شاید

اچانک تیرگی چھائی
دیا وہ بجھ گیا شاید

چلو اب ساتھ چلتے ہیں
کٹے یوں راستہ شاید

تمہارے پیار کا جذبہ
ٹھٹھر کر مر گیا شاید

ذرا رک کے تو تم دیکھو
ہوا ہے حادثہ شاید

کسی کی مٹ گئی ہستی
کہیں چولھا پھٹا شاید

ہمیں اب کون دستک دے
وہی، پاگل ہوا شاید



میری پکار سنو

(اے پی ایس، پشاور میں دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے ہر بچے کی آواز)

اذانِ فجر سے پہلے مجھے بابا جگاتے تھے
بہت ہی پیار سے مجھ کو وہ قرآں بھی پڑھاتے تھے
مرے اسکول جانے کے لیے جب وین آتی تھی
تو ماتھا چوم کر امی مجھے اس میں بٹھاتی تھی
مری ماں سوچتی تھی کہ مجھے فوجی بنائے گی
کہ ملک وقوم کی خاطر وہ ہر اک دکھ اُٹھائے گی
ہر اک صبح کی مانند آج ہم اسکول آئے تھے
تو ہم استانیوں کے واسطے کچھ پھول لائے تھے
کتابیں ہاتھ میں تھیں، شور اٹھا کہ اٹھو بھاگو
ارے یہ کیا ہوا یکدم قیامت کی گھڑی جاگو
ظالم دہشت گردوں نے فائر ہم پہ کھولے تھے
ہم معصوم بچے پھر بھی کچھ نہ بولے تھے
خدایا کیا ہوا ہر جا یہ کیسا خون پھیلا ہے

ہر اک معصوم بچہ بھی اپنی جاں پہ کھیلا ہے
کبھی پوچھو درندوں سے کہ ہم نے کیا بگاڑا ہے
ہمارے علم کا گلشن یہ آخر کیوں اجاڑا ہے
مرا جی چاہتا ہے ماں تری آغوش میں آؤں
میں بچ کر ان درندوں سے ترے سینے سے لگ
مرے بابا چلے آؤ کہ سر سے خون بہتا ہے
ارے ایسی اذیت کو یہاں پر کون سہتا ہے
قلم روتا ہے اب اور کاپیاں فریاد کرتی ہیں
کہ مائیں اس لئے پیدا یہاں اولاد کرتی ہیں
مرے بابا نے مجھے لحد میں جب اتارا تھا
بڑے بھیا نے بے ساختہ مجھ کو پکارا تھا
ماں! نہ گھبرا تیری کوکھ سے میں پھر جنم لوں گا
نہ ایسا پھر لگے مقتل خدا سے میں قسم لوں گا
کہاں ہو حکمرانو تم مرا خونِ بہا مانگو
ارے او منصفو! ان ظالموں کو دار پر ٹانگو



تمہارے لیے

جانِ جاں یہ جہاں
یہ زمیں آسماں
یہ زمان و مکاں
یہ مکین و مکاں
تابہ حدِ نظر
ہے جہاں تک جہاں
سب تمہارے لیے
مہ و انجم فشاں

یہ بحر بے کراں
سب ہے جتنا عیاں
سب ہے جتنا نہاں
یہ یقیں اور گماں
یہ سخن اور بیاں
سب تمہارے لیے

ہیں شفق تا افق
در ہیں جتنے کھلے
میری ہر اک خوشی
اب تمہی کو ملے
میرے آنگن میں ہیں
پھول جتنے کھلے
سب تمہارے لیے



اب جو میرے ہو گئے اتنے قریب
رہو گے تم بھی مجھ سے دور کیا

یوں تمہارے پاؤں کیوں لرزاں ہیں
جا رہے ہو تم بھی سوئے طور کیا

کیوں میرے خط کا جواب آتا نہیں
بس گئی دل میں تمہارے حور کیا

رنج دنیا نے مجھے بے حد دیے
دل کرو گے تم بھی آخر چور کیا

مانگتے ہو تم بھی اجرت پیار کی
یہ بتاؤ تم بھی ہو مزدور کیا



صبح کا بھولا شام کو پہنچا
وہ تو اپنے مقام کو پہنچا

جب وطن چھوڑنا پڑا ہم کو
ان کا قاصد سلام کو پہنچا

اب تو آزاد سب پرندے ہیں
خود شکاری ہی دام کو پہنچا



رت جگے پلنے لگے ہیں آنکھوں میں
خواب ڈھلنے لگے ہیں آنکھوں میں

اس کو پانے کے اب سبھی جذبے
پھر مچلنے لگے ہیں آنکھوں میں

سب چراغ اس کی چاہت کے
اب تو جلنے لگے ہیں آنکھوں میں

رک کے دیکھے جو آبلے اپنے
اشک بہنے لگے ہیں آنکھوں میں

وہ جو محفل میں بھی نہیں سنبھلے
اب سنبھلنے لگے ہیں آنکھوں میں



گرچہ تھا میرے روبرو
پر ہو سکی نہ گفتگو

اس کا مجھے جنون تھا
اس کی مجھے تھی جستجو

دل نہ مرا وہاں لگا
محفل میں تھی ہاؤ ہو

اس کی طلب میں اب تلک
پھر رہی ہوں کو بہ کو

زندگی میں تیرگی
پھیلی ہوئی ہے چار سو

وقتِ نماز اب کہاں
کر رہی ہوں میں وضو



اتنی نہ قیل وقال کر
کچھ تو مرا خیال کر

اپنی بھی رکھ کوئی مثال
مجھ کو بھی بے مثال کر

کسی شام آ کے مل مجھے
ایسا بھی اک کمال کر
جاتے ہیں بزم سے تری

اتنا نہ تو جلال کر

میں وصل ِ یار کے لیے
آئی ہوں موت ٹال کر

دل ہے مرا ٹوٹا ہوا
رکھنا اسے سنبھال کر

تیروں کا میں بنی ہدف
خود کو تو میری ڈھال کر

شوقِ اذاں ہے گر تجھے
لحن کو اپنے بلال کر



نظر میں جچتا نہیں جمال کوئی
جب سے دیکھا ہے خوش خصال کوئی

آگے تیروں کے سینہ کر دینا
پاس رکھنا نہ اپنے ڈھال کوئی

ملن کے وقت جبیں پہ شکنیں ہوں
کیسے چاہے گا پھر وصال کوئی

اس کی قربت بھی شاق گزری ہے
مجھ سے پوچھو تو اس کا حال کوئی

جو سلوک اس نے کیا وہ جانے دو
صفیہؔ رکھو نہ تم ملال کوئی



وہ شخص تو عیسیٰ کے حواری کی طرح تھا
یا موسیٰ کے مقابل وہ مداری کی طرح تھا

سائل تھا مگر کاسے میں کچھ بھی نہیں تھا
محبوب کی گلیوں میں بھکاری کی طرح تھا

کس شرط پہ میں اُس سے بھلا بازی لگاتی
وہ شخص کسی ہارے جواری کی طرح تھا

اس بیج کو کیوں گل چیں نے جڑ سے اکھاڑا
وہ بیج جو گلشن میں کیاری کی طرح تھا

لہجے میں حلاوت تھی تو الفاظ میں جادو
پر اس کا سخن ضربتِ کاری کی طرح تھا



دوست مجھ سے ملنے کے بہانے آئے
یا طنز کے کوئی تیر چلانے آئے

چھوڑ چلی جب میں غمِ ہستی کو
بعد میں کتنے ہی زمانے آئے

سرگزشت اپنی جو سنانے بیٹھی
یاد ان کو بھی فسانے آئے

ہم ٹھہرے نہ کسی جادے پر
ویسے کتنے ہی ٹھکانے آئے

جو شجر دیتا تھا سب کو سایا
لوگ کیوں اس کو جلانے آئے

ماں نے آخری بوسہ دیا ماتھے پر
بھائی جنازہ جو اٹھانے آئے



جب تلک مجھ کو خدا یاد ہے
اس بے وفا کا پتا یاد ہے

چھپ جانا تمہیں دیکھ کر یک بیک
کیا تم کو وہ میری ادا یاد ہے؟

اشتباہِ نظر کے ہیں منظر یہاں
یاد کیا ہے نہیں اور کیا یاد ہے

میرے ماتھے پہ جگنو چمکتے رہیں
اپنی ماں کی یہی اک دعا یاد ہے

پنج وقتہ نمازیں گراں ہیں تمہیں
پھر بھی کہتی ہو تم کو خدا یاد ہے



غم پر بھی تبصرہ لکھنا
جب اپنا مرثیہ لکھنا

حکیم جی سے یہی گزارش ہے
دردِ دل کی کوئی دوا لکھنا

حاکمِ وقت کتنا جابر ہو
تم حقیقت کو برملا لکھنا

ماں کو اس کے سوا نہیں آتا
میرے ماتھے پہ بس دعا لکھنا

جبر کتنے بھی تم سہو صفیہؔ
ناخدا کو نہ تم خدا لکھنا



مجھ سے ملنے کے لیے جب وہ صحن سے نکلے
کہہ دو خوشبو سے کہ وہ اپنے بدن سے نکلے

ہر ستارہ بھی سلامی کے لیے حاضر ہو
چاند جب رات کو گگن سے نکلے

اک نئی طرزِ ستم ایجاد تو کر
کوئی اچھی غزل میرے سخن سے نکلے

اب تو جس مالی سے ہو گل کو خطرہ
اس سے کہو میرے چمن سے نکلے

اہلِ دانش کو تو پابندِ سلاسل کر دو
تاکہ دیوانہ یہاں دار و رسن سے نکلے



کیا کہا؟ دن رات نہیں بدلیں گے
یعنی حالات نہیں بدلیں گے

کیا کہا؟ وہ ملنے کو نہیں آئیں گے
یعنی، جذبات نہیں بدلیں گے

کیا کہا؟ ہیں آپ بھی خفا مجھ سے
یعنی، اثبات نہیں بدلیں گے

کیا کہا؟ ہر گھڑی اس کو یاد کروں
یعنی، اوقات نہیں بدلیں گے

کیا کہا؟ نسیمِ صبح ہیں وہ گویا
یعنی، اثرات نہیں بدلیں گے

کیا کہا؟ زخم ہی سدا دو گے
یعنی، ثمرات نہیں بدلیں گے



اہلِ دانش سیر کو سوئے چمن جاتے ہیں
اُٹھ کے دیوانے ترے دار و رسن جاتے ہیں

وہ جو آجائے تو پھر اس کی سلامی کے لیے
میرے سب چاند ستارے بھی گگن جاتے ہیں

بزمِ اغیار میں خوش ہو کے جو دیکھے مجھ کو
دل میں جتنے بھی ہیں سب رنج و محن جاتے ہیں

آرزوئیں اس طرح میری یہاں پامال ہوئیں
جیسے خزاں رت میں یہاں برگ وثمن جاتے ہیں

ان کے جذبوں پہ یہاں برف جمی ہے یارو
وہ تو رخ پھیر کے اپنے میں مگن جاتے ہیں

دیکھ لے آج انہیں پھر نہ کبھی دیکھے گا
قدر کر ان کی کہ یہ اہلِ سخن جاتے ہیں



دکھوں کی آبیاری جانتی ہوں
حضور! اختر شماری جانتی ہوں

مرا چہرا ابھی اب نکھرا ہوا ہے
غموں کی تابکاری جانتی ہوں

ستارے کتنے ہیں روشن فلک پر
میں یہ انجم شماری جانتی ہوں

ملے گا کیا کشید ِعشق کر کے
ہے اس میں بردباری جانتی ہوں

کسی قیمت وہ آکے چاک سی دے
ہے کتنا بیوپاری جانتی ہوں

نمک ہے اس لیے درکار مجھ کو
ہے کتنا زخم کاری جانتی ہوں

سحر طاری کروں گی لفظوں کا اپنے
کہ فن ِنامہ نگاری جانتی ہوں



الوداع اچھا دسمبر

الوداع اچھا دسمبر، شام بخیر، شب بخیر
الوداع اچھا دسمبر، شام بخیر، شب بخیر

تو نے تو اے دسمبر زخم ہی مجھ کو دیے
سالِ نو پہ رحم کر، شام بخیر، شب بخیر

کہنا کہ رات ہو گئی اوڑھے ردا وہ خواب کی
فکر نہ کر بارِ دگر، شام بخیر، شب بخیر

دیکھو میری جاں، اب گیا آؤں گا نہ میں لوٹ کر
رکھو میرے سینے پہ سر، شام بخیر، شب بخیر

ساحلوں کی ریت پر، اک دیا جب رکھ دیا
تھا وہ ہوا کے سر بہ سر، شام بخیر، شب بخیر

میں نے تجھے لوٹا دیے تحفے ترے، وعدے ترے
تتلی کا رکھا ایک پر، شام بخیر، شب بخیر



خود کو ہم نے جو خواب میں دیکھا
اک مسلسل عذاب میں دیکھا

کیسے کہہ دوں وہ مجھ کو بھول گئے
صبح اک پھول کتاب میں دیکھا

وہ جو لاتا تھا سب کو ساحل پر
اس کو ڈوبا حباب میں دیکھا

رہ کے کانٹوں پہ مسکرانے کا
ظرف ہم نے گلاب میں دیکھا

جس کی خاطر تھے کو بہ کو گھومے
وہ سکوں خانہ خراب میں دیکھا



جس کے بغیر زندگی تنہا یوں ہی گزار دی
اس نے حیات اپنی اورکسی پہ وار دی

یہ یقیں کیسے کروں مجھ سے ملے بغیر چلا گیا
اپنی سہیلیوں سے یہ شرط میں نے ہار دی

مجھ کو وفاؤں کا صلہ مل گیا کچھ اس طرح
خار بچھائے راہ میں، میں نے جسے بہار دی

بس اسی کے واسطے میں مر رہی تھی، مر گئی
گویا یہ اپنی زندگی لحد میں ہی گزار دی

عشق کا مرض یوں لگا طبیب کچھ نہ کر سکے
آخر مریض چل بسا، گرچہ دعا ہزار دی



مجھے تم آزماؤ گے، اچھا، چلو یونہی سہی
ملنے کبھی نہ آؤ گے، اچھا، چلو یونہی سہی

تیرگی ہے ہر طرف، سوجھتا کچھ بھی نہیں
آخری دیا بجھاؤ گے، اچھا، چلو یونہی سہی

اٹھنے لگے ہو تم کہاں، آشنا ہیں سب یہاں
اغیار میں اب جاؤ گے، اچھا، چلو یونہی سہی

وہ جو ملی تھی راہ میں تم ہو اسی کی چاہ میں
اپنا اُسے بناؤ گے، اچھا، چلو یونہی سہی

وہ جو تمہاری دوست تھی جس سے تمہارا ربط تھا
دلہن بنا کے لاؤ گے، اچھا، چلو یونہی سہی



اب نہ رہنا انہی خیالوں میں
چاندنی آگئی ہے بالوں میں

جان دیتے تھے جو اصولوں پر
وہ تو ملتے ہیں اب مثالوں میں

کس نے آنا تھا کیوں نہیں آیا
رکھا کیا ہے اب ان سوالوں میں

ہر قبیلے کا ہر جواں اچھا
کچھ نہیں عصبیت کے جالوں میں

شب کی ظلمت میں اور ہیں چہرے
نظر آتے ہیں جو اجالوں میں

وارفتگی سے جو گلے مجھے لگاتے ہیں
ہیں وہ شامل مرے قتالوں میں

سوال اٹھتے ہیں صفیہ تیری سوچوں میں
جواب ڈھونڈ محبت کے ان مقالوں میں



چاند جب نقاب میں آئے
اس کو کہنا کہ خواب میں آئے

تاب مجھ میں نہیں اسے دیکھوں
اس سے کہنا حجاب میں آئے

اپنا کردار یوں کرو ثابت
تذکرہ بھی کتاب میں آئے

پھول وہ لے گیا سبھی چن کر
کانٹے میرے حساب میں آئے

پا پیادہ وہ گر آ نہیں سکتا
رکھ کے پاؤں رکاب میں آئے

رنگ ہے، روشنی ہے، خوشبو بھی
اس کی صورت گلاب میں آئے



صاحبِ کتاب شاعرہ ثمینہ گل (سرگودھا) کے نام

نام ہے اس کا ثمینہ اور تخلص اس کا گُل
نرم و نازک وہ چنبیلی جو گئی شبنم سے دُھل

ہے مبرا شاعری اس کی کسی بھی کھوٹ سے
دیکھتی ہے دنیا کو آنچل کی اپنے اوٹ سے

جب تکلم وہ کرے بہتا ہے دریا موج کا
جس کو نظروں سے گرا دے کیا کرے گا اوج کا

فکر انگیزی نمایاں، شاعری کا ہے شعور
جو سمجھ نہ پائے اس کو اس میں کیا اس کا قصور

جس نے کی اس سے محبت سانچے میں اس کے ڈھل گئی
جس نے کی کج ادائی، وہ راستہ ہی بدل گئی

زندگی اک رنگ ہے اک روشنی اس کے لیے
زندگی اک ادب ہے اک آگہی اس کے لیے

زیست کے ہر دور میں گزری ہیں اس پر سختیاں
پھر بھی اس کے ہاتھوں میں ہیں وفا کی تختیاں

آنکھیں ہیں اس کی شربتی اور کچھ مخمور سی
مجھ کو لگتی ہے ہمیشہ دنیا میں وہ حور سی

جب مشاعرے میں غزل وہ ترنم سے پڑھے
یوں لگے کہ سُر کا دریا سامنے سب کے بہے



اک میں تھی ، اک دیا تھا، اک ہوا تھی ، اور بس
کشتی میں تھی ، طوفان تھا، اک گھٹا تھی ، اور بس

وصل کے لمحات میں مجھ کو حیا مانع رہی
تیرے ہاتھ میں میرا ہاتھ تھا، اک حیا تھی، اور بس

سب چاہتوں کے جرم بھی لکھے مرے حساب میں
سب گواہ اس کی طرف تھے، تنہا میں تھی، اور بس

میرے نام کے سب ستارے آسماں پہ بجھ گئے
اک اسم تھا مرے ہاتھ پر، اک دعا تھی، اور بس

تجدیدِ تعلقات میں ہو بھی سکتا تھا مگر
نہ میں جھکی، نہ وہ جھکا، اک انا تھی ، اور بس

جب امامِ وقت نے تہِ تیغ سجدہ ادا کیا
چادرِ زینبؑ میں لپٹی کربلا تھی ، اور بس



یہ ہم کو معتبر لگنے لگا ہے
مکاں اب تو گھر لگنے لگا ہے

جسے پتھر وہ کہتا تھا ہمیشہ
وہ دل تلوار پہ چلنے لگا ہے

نہیں تعبیر اب جس کا مقدر
وہ خواب آنکھ میں رکنے لگا ہے

نگاہِ التفات ، میری جانب
مجھے کیا واہمہ ہونے لگا ہے

سفر سے لوٹ آیا ہے وہ شاید
دیا محراب میں جلنے لگا ہے

سنا ہے فوت ہونے پر وہ میرے
کفِ افسوس اب ملنے لگا ہے



زمانے خالی یہ تیرا وار گیا
عشق خود چل کے سوئے دار گیا

تم نے جب جان کا لیا صدقہ
حسن اپنی نظر اتار گیا

جیت جھومر تھی جس کے ماتھے کا
وہ زمانے سے بازی ہار گیا

اب تلک جی رہی تھی جس کیلئے
جیتے جی ہی مجھکو مار گیا

اس کی ہمت کو ہے سلام میرا
جو یہاں زندگی گزار گیا



محبت کے حوالوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو
محبت کرنے والوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو

سفر یہ زندگی کا تیرگی میں کٹ گیا میرا
سوا اِن وقتی اجالوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو

فسانے جو پڑھے وہ زندگی پہ منطبق ٹھہرے
اُٹھالو اِن رسالوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو

سنبھالو پیارا یہ اپنا فقط جو دو ہی دن کا تھا
کہ ان مکڑی کے جالوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو

صراحی لا ادھر ساقی کہ پی لوں آج جی بھر کے
کہ ان چھوٹے پیالوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو

محبت ان سے کرتا ہوں جو میں نے بت تراشے ہیں
کہ ان خوش روغزالوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو



حاصل مجھ کو جب تلک عشق کا وجداں نہ تھا
حل کرنا کوئی بھی مسئلہ مرے لیے آساں نہ تھا

وصل سے ہجر تک یوں ہی جنوں خیزی رہی
تھا گریباں، چاک چاک مگر داماں نہ تھا

منزلوں کی جستجو میں آبلے پڑنے ہی تھے
دشت کے اس سفر میں کوچۂ جاناں نہ تھا

وہ مخاطب جب ہوا بس سرسری سی بات کی
اس کے لہجے میں کوئی بھی پیار کا طوفاں نہ تھا

زندگی میں جس قدر بھی دکھ ملے تنہا سہے
کندھے پہ رکھتا ہاتھ جو ایسا کوئی انساں نہ تھا



کٹتی ہی نہیں مجھ سے یہ رات مسلسل
دن نکلے تو ہو اس سے مری بات مسلسل

رہتی ہے سدا مجھ پہ عنایات کی بارش
ہر روز ہی دیتا ہے وہ صدمات مسلسل

میں وقت کا صحرا ہوں مری پیاس بہت ہے
اب دل پہ کرو پیار کی برسات مسلسل

میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہے تاروں کی شرارت
جو چاند سے ہوتی ہے ملاقات مسلسل

سر رکھ کے ترے زانو پہ سو جاؤں کسی دن
یوں عشق کو ملتی رہے خیرات مسلسل

جب اس سے کہا یاد میں روتی ہوں ہمیشہ
کہنے لگا ہوتی رہے برسات مسلسل

میں نے کہا زخموں کا مداوا ہی کرو کچھ
کہنے لگا چھڑکتی رہو نمکیات مسلسل

جب اس کو کہا صفیہؔ کا اب دم ہے نکلتا
کہنے لگا دم کرتے رہو آیات مسلسل



مجھ کو ترا خیال بڑی دیر تک رہا
یہ دل بھی پرملال بڑی دیر تک رہا

پھڑ پھڑا کے فاختہ یک لخت مر گئی
پھینکا جو تو نے جال بڑی دیر تک رہا

کیا تھا جواب جس کا مجھے تم نہ دے سکے
دل میں وہی سوال بڑی دیر تک رہا

تیرے ہی بازوؤں میں تجھے سوچتی رہی
کوئی اور خدوخال بڑی دیر تک رہا

قربت کا ایک پل صدیوں پہ تھا محیط
لیکن ترا وصال بڑی دیر تک رہا

آؤں گا آج شام کہا اس نے فون پر
دل میں مرے دھمال بڑی دیر تک رہا

گو زندگی کا مسئلہ بھی ہو گیا تھا حل
اس عشق کا وبال بڑی دیر تک رہا



مجھے تم نے بھلایا ہے
تمہیں میں بھی بھلاؤں تو

شبِ فرقت کا وہ قصہ
تمہیں میں نہ سناؤں تو

تھا وعدہ ساتھ دینے کا
یہ وعدہ نہ نبھاؤں تو

ترا اصرار آنکھوں پر
اکیلے آ نہ پاؤں تو

ہے گھر میں تیرگی بے حد
تمہارے خط جلاؤں تو

یہ اِن باکس بھر گیا میرا
ترے میسج مٹاؤں تو

وہ لڑکی جس پہ مرتے ہو
تری دلہن بناؤں تو



دو چار ملاقات میں وہ آتے جو راہ تک
پھر چاہتوں کے سلسلے جاتے نباہ تک

وہ اپنے ثواب میں ہمیں شامل نہ کر سکا
ہم نے کیے تھے جس کے لیے گناہ تک

ہم تھے مغل سو ہم نے ٹھکرا دیے وہ تخت
لیکن وہ مرہٹے تھے آئے نہ چاہ تک



لمحۂ وصل

تمہارے بازو کے تکیے پر
تمہاری یادوں کے بستر پر
تمہارے خواب کی چادر اوڑھ کر
سونے لگتی ہوں
دل میں رونے لگتی ہوں
تو
فاصلوں کی حدوں کو توڑ کر تم
میرے پاس آتے ہو
گلے مجھ کو لگاتے ہو
سجا کے سیج پھولوں کی
مجھے اس پر بٹھاتے ہو

تصور میں سہی لیکن
تمہارا یہ دلاسہ، تسلی اور تشفی
غبارِ غم میرے دل سے ہٹاتی ہے
یہ شانہ تھپتھپاتی ہے
تمہارے پیار کی چھاگل مجھے سیراب کرتی ہے
تمہارے لمس کی حدت مجھے شاداب کرتی ہے
بہت نایاب لگتے ہیں وہ لمحے جب
محبت کی اک شدت سے
انہی جذبوں کی حدت سے
مرے نزدیک آتے ہو
تو پھر اک گل بنفشہ کا
مرے چہرے پہ کھلتا ہے
تمہیں اتنے قریں پا کر
نہایت خود کو میں
معتبر محسوس کرتی ہوں
تمہی سے پیار کرتی تھی
تمہی سے پیار کرتی ہوں



بے نظیر شہید کے نام

وقت کے گزرنے پر
وہ جو بھول جائیں گے
بے نظیر کیسی تھی؟
ہم انہیں بتائیں گے
زندگی کے ماتھے پر
اک لکیر جیسی تھی
روز و شب کے زنداں میں
اک اسیر جیسی تھی

شہر کے غریبوں میں
اک امیر جیسی تھی
جبر کے اندھیروں میں
اک تیر جیسی تھی
بے نظیر بھٹو، بس
بے نظیر جیسی تھی!



خیالِ جاگزیں

وہ اک دن کیف و مستی میں
نہایت جذب میں آ کر
اس نے میرے ماتھے کو چوما تھا
لیا بوسہ پھر آنکھوں کا
تو تب سے پلکیں موندے ہوں
وہ ایسا جاں گزیں لمحہ تھا جب
کہ اس روز بند آنکھوں سے
ہوا کو رقص میں دیکھا
بادل بھی جھوم کر آئے
فضا بھی گنگنائی تھی
اک تتلی پھول کو چھو کر
ادا سے مسکرائی تھی



غموں کا سلسلہ دیکھو
میرا بھی حوصلہ دیکھو

اچانک کٹ گیا ہے کیوں
تمہی سے رابطہ دیکھو

سنو کس سمت جاتا ہے
ندی کا راستہ دیکھو

یہاں کیوں آگ ہے روشن
کسی کا گھر جلا دیکھو

اٹھا لینا وہیں پتھر
جہاں پر آئینہ دیکھو

تم ابتلا دور کر دینا
گر کسی کو مبتلا دیکھو

تم ملنے کو چلے آؤ
نہ ہرگز فاصلہ دیکھو

وہیں خیمے لگا لینا
جہاں پر کربلا دیکھو



بھلا کیسے بھلاؤ گے؟

مرے ہونٹوں کی لالی کو
مرے کانوں کی بالی کو
مرے ہاتھوں کے کنگن کو
مری پائل کی چھن چھن کو
بھلا کیسے بھلاؤ گے؟

وہ میری مسکراہٹ کو
وہ میری گنگناہٹ کو
اچانک چھاپ لینے پر
وہ میری کسمساہٹ کو
بھلا کیسے بھلاؤ گے؟



ہوائیں بین کرتی ہیں

کسی بستی میں کوئی آفت جب چپکے سے آجائے
کسی مسجد میں کوئی اسلحہ جب باندھ کر آئے
ہوائیں بین کرتی ہیں

کبھی رستے میں کوئی حادثہ جب پیش آجائے
کسی گاڑی کے نیچے بچہ کوئی آکے جو سو جائے
ہوائیں بین کرتی ہیں

کہیں سیلاب آجائے، کہیں آجائے زلزل
زمیں بارود ہو جائے، فضا میں پھر مچے ہلچل
ہوائیں بین کرتی ہیں

امام بارگاہوں میں عبادت کا سماں ہو جب
پھر کوئی خودکش دھماکے سے قیامت کا سماں ہو جب
ہوائیں بین کرتی ہیں

ہواؤں کو پتہ ہے اس کا کیا انجام ہونا ہے
کس کی زندگی میں صبح سے پہلے شام ہونا ہے
ہوائیں بین کرتی ہیں



زندگی کے آسماں پہ اک تارا ہو گیا
میرے شعروں میں وہ آ کے استعارا ہو گیا

پہلے تو ہوتی تھی اس سے سرسری سی گفتگو
پھر مجھے ایسے لگا کہ جاں سے پیارا ہو گیا

چاند تارے بھی مجھے حیرت سے یوں تکنے لگے
اس نے مجھ سے جب کہا تھا میں تمہارا ہو گیا

ہم نے سوچا تھا کریں گے عشق اب نہ بھول کر
کیا کریں کہ عشق تم سے پھر دوبارہ ہو گیا

مجھ پہ ہے وقت نزاع اب ہاتھ میرا چھوڑ دو
دیکھ لو کہ موت کا مجھ کو اشارہ ہو گیا



گلے تم نے لگایا ہے، تمہارا شکریہ بے حد
گلہ تم نے مٹایا ہے، تمہارا شکریہ بے حد

جسے اپنا بناتے ہیں بھلا کب چھوڑ دیتے ہیں
یہ تم نے کر دکھایا ہے، تمہارا شکریہ بے حد

تھی موجوں میں کہاں ہمت، بھنور میں تھی کہاں جرات
کنارے پر ڈبویا ہے، تمہارا شکریہ بے حد

زمینِ ہجر بنجر ہو تو دیکھو پھل نہیں لگتے
ملن کا بیج بوا ہے تمہارا شکریہ بے حد

کہا مجھ سے ستاروں نے تمہاری مانگ بھرنے کو
فلک سے توڑ لایا ہے، تمہارا شکریہ بے حد



آؤ ہم تم ملیں

تم کو دیکھوں تو آنکھوں کو جنت ملے
تم کو سوچوں تو دل کو مسرت ملے
تم کو چاہوں تو جذبوں کو چاہت ملے
تم کو پاؤں تو مجھ کو بھی راحت ملے

نام تیرا جو لُوں تو ملے چاشنی
تو جو آئے تو ہو میرے گھر روشنی
بات مجھ سے کرو تو شگوفے کھلیں
میری ہر بات پر پھول کلیاں ہنسیں

آؤ مجھ سے ملو تو کنارے ملیں
تم بچھڑ جاؤ گر تو شرارے ملیں

آؤ ہم تم ملیں، پھول سارے کھلیں



سہمی ہوئی چڑیا

میں ہوں سہمی ہوئی چڑیا
نہ میرا آشیانہ ہے
نہ کوئی اب ٹھکانہ ہے
کبھی آزاد ہوتی تھی
بہت دل شاد ہوتی تھی
نہ مجھ کو فکرِ دانہ تھی
فقط سیرِ شبانہ تھی
نہ آندھی کی مجھے پرواہ

نہ تھی طوفان سے آگاہ
مگر یہ کیا ہوا ناگاہ؟
دیارِ غیر جا بیٹھا
مجھے یکسر بھلا بیٹھا
نہ کوئی فون کرتا ہے
نہ ہی ای میل کرتا ہے
واٹس اپ کی آئی ڈی اس نے بدل ڈالی
کہ اس کا سیل نمبر بھی ہمیشہ آف ملتا ہے
نہ فیس بک کی وال پہ پیغام دیتا ہے
کیوں لمحہ لمحہ موت کا وہ جام دیتا ہے
مجھے اس کی محبت نے حسین جو رنگ بخشے تھے
وہ سارے رنگ دھو ڈالے
دوپٹے تک بھگو ڈالے
آہ!
زمانے نے
مرے پر نوچ ڈالے ہیں
کئی نشتر اچھالے ہیں

تمہارے بن مرے ہمدم!
یہ دنیا اب ستاتی ہے
مری گلزار راہوں میں
یہ کیوں کانٹے بچھاتی ہے
پلٹ آؤ مرے جاناں!
کہ
ہر سو اب اندھیرا ہے
مجھے تنہا ہوں بہت جاناں
مجھے وحشت نے گھیرا ہے
کسی دہشت نے گھیرا ہے
سنو!
کسی طوفان کی زد پر
مرا یہ اشیانہ ہے
کہ جس کو چھوڑ دے ساجن
کہاں اس کا ٹھکانہ ہے
کہ میں سہمی ہوئی چڑیا!!



سنو صفیہ!

سنو صفیہ!
وفا نہ کرنا
غم سے دل
برا نہ کرنا
دل کا غنچہ
ہرا نہ کرنا
وصل کی اب
دعا نہ کرنا

ہجر کا تم
گلہ نہ کرنا
دردِ دل کی
دوا نہ کرنا
اب اور اس کو
خفا نہ کرنا
قرض وفا کا
ادا نہ کرنا
تجویز اس کو
سزا نہ کرنا
نماز اپنی
قضا نہ کرنا



پیمانِ وفا

نو بیاہتا جوڑے (سجاد اور شاہینہ) کے نام جو ائیر کریش میں جاں بحق ہو گئے

تم
تم مرے ساتھ ہو گے نا
سدا ہی ساتھ ہو گے نا
ہزاروں پیار کی قسمیں
وہ بچپن کے سبھی وعدے
نبھاؤ گے سدا جانم!

مجھے اپناؤ گے جانم!
مجھے یہ یاد ہے ہمدم!
مجھے کتنا ستاتے تھے
مری گڑیا چھپاتے تھے
اگر میں روٹھ جاتی تھی
مجھے کیسے مناتے تھے
مگر اب مل گئے ہیں نا!
تو پھر یہ فکر کیسی ہے؟
تمہارے بے پناہ اصرار پہ طے یہ پایا ہے
کہ
ماہِ غسل کا عرصہ مری میں ہم گزاریں گے
سدا ہی ایک دوجے پہ ہم اپنی جاں واریں گے
سہانے دن وہ ہوں گے
اور ہوں گی مدھ بھری باتیں
تمہارے شانے پہ سر رکھ کے
کروں گی رات بھر باتیں
تمہارے آنے سے پہلے خود کو میں

کتنا سجاؤں گی
تمہارے بستر پہ پھولوں کی میں اک
چادر بچھاؤں گی
مگر

جانے کیوں وسوسوں نے سر اٹھایا ہے
ہے میرا واہمہ یا پھر طیارہ ڈگمگایا ہے
لگی ہے آگ دیکھو تو
یہ میرے بھاگ دیکھو تو
تم میرا ہاتھ پکڑ و نا
مجھے بانہوں میں جکڑ و نا
جہاز ہو گا تباہ شاید
بس اتنا تھا نباہ شاید
ہمارے عضو بکھریں گے
مگر دل ساتھ دھڑکیں گے



زمیں کی گود خالی ہے

زمیں کی گود خالی ہے
سدا خالی ہی رہتی ہے
وہ ہر اک سے کہتی ہے
مری آغوش میں آؤ
مرے دل میں سما جاؤ

زمیں خود
زمیں داروں سے کہتی ہے

مجھے تم ماں تو کہتے ہو
قریب آنے سے ڈرتے ہو
یہ کس دنیا میں رہتے ہو؟

مرا نقشہ بناتے ہو
ہزاروں رنگ بھرتے ہو
مجھے خانوں میں تم رکھ کر
ہمیشہ بانٹ دیتے ہو
مری سرحد بناتے ہو
کڑے پہرے لگاتے ہو
مکاں مجھ پر بناتے ہو
ستاروں سے سجاتے ہو
مہ وانجم کو لاتے ہو
تم وعدے یوں نبھاتے ہو؟

میرے سینے پر
کبھی دفتر بناتے ہو

کبھی نشتر چلاتے ہو
تم لڑتے ہو مری خاطر
تم مرتے ہو مری خاطر
فقط دو انچ کے ٹکڑے پر
قتل بھائی کا کرتے ہو
مربعے تم بچانے کو وہ چھوٹی بہن کا اپنی
نکاح قرآں سے کرتے ہو
اگر تم کو بلاؤں میں
قریب آنے سے ڈرتے ہو
غریبوں اور یتیموں کو
سدا ٹھوکر پہ رکھتے ہو
مساکین اور فقرا کا
کبھی تم پیٹ بھرتے ہو؟

یہ عورت نام ہے جس کا
بہت اونچا مقام ہے جس کا
حیا اس کا زیور ہے

وفا اس کا عقیدہ ہے
محبت ہے سرشت اس کی
اس نے یہ کیا کر ڈالا
حیا کو طاق کر ڈالا
وفا کو عاق کر بیٹھی
یہ اب زینت ہے محفل کی
یہ اب رونق ہے محمل کی
کسی کا دل لبھاتی ہے
کہیں جلوے دکھاتی ہے
یہ اکثر بھول جاتی ہے
محبت کی سرشت کیا ہے؟

مناظر دیکھ کر یہ
زمیں غصے میں آتی ہے
انہیں واپس بلاتی ہے
بلائے آسماں والا
زمیں میں جانا پڑتا ہے

زمیں زادوں سے کہتی ہے
جب میرے پاس آؤ گے
پلٹ کر پھر نہ جاؤ گے
زمیں زادو! گماں رکھو
نہ سر پہ آسماں رکھو
حسیں سی خواب گاہوں کو
بہت سے مہ لقاؤں کو
زمینوں کے مربعوں کو
وہ دادا کے اثاثوں کو
کہاں تم چھوڑ آئے ہو
فنا کو بھول بیٹھے تھے
قضا کو بھول بیٹھے تھے
جواب منکر نکیروں کو
اگر تم دے نہ پاؤ گے
ہو کس نبیؐ کی امت سے
اگر تم بھول جاؤ گے
عذاب تم کو جو دوں گی میں

حشر تک اس کو سہنا ہے
قیامت تک تمہیں آدم!
میرے پاس رہنا ہے
دبوچوں گی تمہیں اتنا
کہ ہے بازو میں دم جتنا
کئی حشرات الارض ہیں مجھ میں
جو تم جیسوں کو ڈسنے کو
بہت بے تاب رہتے ہیں
یہاں مٹی ہی مٹی ہے
یہاں جالے ہی جالے ہیں
گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے
نہ کوئی اب یاں پہ تیرا ہے
قیامت تک اے آدم!

زمیں کی گود خالی تھی
زمیں کی گود خالی ہے
سدا خالی ہی رہتی ہے



فرسٹ فلائٹ

(بھوجا ائیرلائن کی ائیر ہوسٹس فلورا کے لیے)

اسے تتلیوں کے رنگ سے عشق بے حد تھا
وہ اکثر ماں سے کہتی تھی
کہ
ان کا دیس کہاں پر ہے؟
کہاں سے اڑ کے یہ آتی ہیں؟
کہاں پھر کھو یہ جاتی ہیں؟
مجھے تتلیوں کے دیس جانا ہے

مجھے تتلی بنا دو نا!

مجھے اڑنا سکھا دو نا!

فلورا کی مخلص ماں

سجا کے خواب آنکھوں میں

اسے بھر کے وہ بانہوں میں

بہت دھیرے سے کہتی تھی

یقیں مجھ کو فلورا ہے

تمہاری زندگی کا اب تلک

جو ورق کورا ہے

اسے رنگین کر دوں گی

تمہیں تتلی کے پر دوں گی

تمہیں اتنا پڑھاؤں گی

ائیر ہوسٹس بناؤں گی

اڑان پہلی بھرو گی جب

خلاؤں میں اڑو گی تب

تمہیں میں یاد آؤں گی

آہ!

مگر یہ کیا جانکاہ خبر آئی ہے
فلورا اب نہ آئے گی
پلٹ آؤ مری بیٹی!
تمہارے ماتھے پہ بوسہ دوں
کسے معلوم تھا کہ تم کو
تتلیوں کے دیس جانا تھا
پلٹ کر پھر نہ آنا تھا
کہ تم کو تتلیوں کے رنگ سے عشق بے حد تھا!



مجبوریاں

سنو! مجبور ہوں بے حد
غموں سے چور ہوں بے حد
مرے غم دور کر دو تم
مرا سر رکھ کے شانے پر
مجھے مسرور کر دو تم
کہ
یہ زہر جدائی اب مسلسل پی نہیں سکتی
سنو ہمدم! تمہارے بن تو اب میں جی نہیں سکتی
مجھے اتنا ستاؤ نا
سنو جی لوٹ آؤ نا

تمہارا ہی تو وعدہ تھا
کہ
مقدور بھر ڈالر کما کر جلد ہی میں لوٹ آؤں گا
تمہارے واسطے پیارا سا اک گھر میں بناؤں گا
تمہیں اپنی محبت سے سدا میں شاد رکھوں گا
زمانے بھر کی فکروں سے تمہیں آزاد رکھوں گا
تمہارے یہ سبھی وعدے
مجھے بے حد ستاتے ہیں
سنو! جلدی چلے آؤ

تمہارے حکم پر جاناں سرِ تسلیم تو خم ہے
مگر میں آ نہیں سکتا
مجھے اس بات کا غم ہے
ہزاروں میل کی دوریاں گو کہ حائل ہیں
مگر کمیونی کیشن کے بہت عمدہ وسائل ہیں
گلوبل ویلیج ہے دنیا
اسکائپ کے توسط روز وڈیو چیٹ ہوتی ہے

مجھے تم دیکھ لیتی ہو
تمہیں میں دیکھ لیتا ہوں
ملال اتنا کرو نہ تم
سنو! آہیں بھرو نہ تم
ابھی چند ماہ رک جاؤ
جونہی مجھ کو ملی چھٹی
میں جلد ہی لوٹ آؤں گا
نکاح تم نیٹ پر کرلو
تو ویزا ساتھ لاؤں گا

سنو ہمدم! تمہارا یہ بہانہ بھی بھلا کوئی بہانہ ہے
ہمارے درمیاں حائل بڑا ظالم زمانہ ہے
کہ اب طوفان کی زد پہ اس دل کا آشیانہ ہے
کہ اب رشتہ جو ہے آیا
وہ اک اچھا گھرانہ ہے
کہ بوڑھے باپ کی خواہش پہ
مجھے اب گھر بسانا ہے

سنو! جلدی چلے آؤ

ارے جاناں! خبر یہ کیا سنادی ہے
مری دنیا لٹا دیا ہے
مری امید کی شمع
یہ تم نے کیوں بجھا دی ہے
سنو! ایسا نہیں ہو گا
نہیں ہر گز نہیں ہو گا
کہ تم شادی وہاں کرلو
بس پاپا کو منع کر دو
میں اگلے ماہ آؤں گا
تمہیں دلہن بناؤں گا
پھولوں پر بٹھاؤں گا
تمہاری آنکھوں کو چوموں گا
گلے تم کو لگاؤں گا
گلے سارے مٹاؤں گا
بس کچھ دن ٹھہر جاؤ

تمہارے واسطے ہمدم!
ہے ہر رشتے کو ٹھکرایا
مگر یہ کیا صلہ پایا؟
سنا ہے تم نے شادی وہاں کر لی ہے
یہ کب بدگمانی تھی
دیارِ غیر جاؤ گے
کبھی واپس نہ آؤ گے
مگر یقیں مجھ کو نہیں آتا
کہ تم سے اب نہیں ناتا
کسی کے ہو گئے ہو تم
کہیں پر کھو گئے ہو تم
سنو! تصدیق یا تردید تو کر دو

سنو جاناں! میں یہ اقرار کرتا ہوں
کہ تم سے اب تلک بے تحاشا پیار کرتا ہوں
سٹیزن شپ کے لیے
یہ شادی کرنا پڑی مجھ کو

کہ تھی یہ میری مجبوری
ہے میرے باس کی بیٹی
چلو تم جان گئی ہو تو
حقیقت مان گئی ہو تو
میں آج ہی اپنی فیس بک پر
اور تمہارے واٹس اپ پر بھی
اپنی بیوی اور بیٹے کی فوٹو سینڈ کرتا ہوں
تم دیکھو تو رونا مت
دوپٹے کو بھگونا مت
میں اب آ نہیں سکتا
کہ ہے مصروفیت بے حد
سنو! تم کو اجازت ہے
کسی کے
پیت کے جھولے میں جا کر جھول سکتی ہو
مجھے تم بھول سکتی ہو!



شرط

یہ بات ہے مرے نالج کی
وہ لڑکی ڈگری کالج کی
رہتی تھی انجان بہت
تھی دِکھنے میں نادان بہت
نہ اس کی کوئی سہیلی تھی
وہ لڑکی ایک پہیلی تھی
کنٹین کبھی نہ جاتی تھی
وہ برگر کبھی نہ کھاتی تھی
بس لیکچر سنتی رہتی تھی
اور نوٹس بنایا کرتی تھی

دیکھتی تھی اچھے سپنے سے
خواب تھے ڈاکٹر بننے کے
اک دن اسے اک لڑکا ملا
کہنے لگا سنو بات صبا!
میں پیار بہت ہی کرتا ہوں
اور نام پہ تیرے مرتا ہوں
یہ بات سن کے لڑکی نے کہا
اے مسٹر! پاگل ہو گئے کیا
سنو! مجھ کو ڈاکٹر بننا ہے
اور ملک کی خدمت کرنا ہے
جاؤ تم اپنا کام کرو
یوں مجھ کو نہ بدنام کرو
لڑکے نے کہا میں سچا ہوں
اور اپنی دھن کا پکا ہوں
کل ماں کو لے کر آؤں گا
اور رشتہ ڈال کے جاؤں گا

مجھے اپنے سیل کا نمبر دو
گھر جا کے اک میسج کرو
لڑکی کچھ شرما سی گئی
اور دل میں وہ گھبرا سی گئی
گھر آ کے یہ ممی سے کہا
کل رشتہ میرا آئے گا
پاپا سے کہو کہ بات کریں
آپ خود بھی ملاقات کریں
دوستوں میں وہ لڑکا گیا
اس نے یہ ان سب سے کہا
لو شرط تمہاری جیت گیا
میں آج سے اس کا میت بنا
اس کے فون کا نمبر لایا ہوں
اور الو بنا کے آیا ہوں
چلو ہوٹل پر کھانا کھائیں
اور جیت کا جا کے جشن منائیں

وہ لڑکی ہے میری خالہ کی
اس سے کرنا ہے مجھے شادی
یہ لڑکی کیسی لڑکی ہے
جو سب کو نمبر دیتی ہے
وہ لڑکی چپ ہی رہتی ہے
اندر ہی اندر گھلتی ہے
وہ لڑکی ڈاکٹر بن نہ سکی
انٹر بھی کلئیر کر نہ سکی
سنو میری ایک نصیحت ہے
تم سب کو ایک فضیحت ہے
مت آنا ان کی باتوں میں
نہ سوچنا ان کو راتوں میں
یہ لڑکے شرط لگاتے ہیں
اور تم کو ہار یہ جاتے ہیں



کربِ ہجر

آج جی میں میرے آئی ہے
کیوں جانے دھن یہ سمائی ہے
کہ پیار کی اک اک بات لکھوں
اور درد کی سب سوغات لکھوں
جب تنہا کھڑی تھی راہوں میں
تھاما تھا اس نے باہوں میں
پھر پیار کا گیت سنایا تھا
آنچل بھی میرا لہرایا تھا

میں سمجھی تھی وہ سچا تھا
پر عشق کا بندھن کچا تھا
ہاں تبھی تو اس نے چھوڑ دیا
اور پیت کا ناطہ توڑ دیا
جو پیار کی باتیں کرتا تھا
اور نام پہ میرے مرتا تھا
اب خط ہیں اس کی باتیں ہیں
یا ہجر کی لمبی راتیں ہیں
جانے کہاں وہ کھویا ہے
دل خون کے آنسو رویا ہے
جب عشق کی بازی ہاری تھی
وہ ساعت ہم پر بھاری تھی
ماضی سے اک زقند بھریں
خط لکھنا اس کو بند کریں
کافی ہے اتنا سنانے کو
اب ختم کرو افسانے کو



قصہء الم

بہت دن بیت گئے اب تو یہ قصہ پرانا ہے
دہراتی ہوں اسے اکثر کہ یہ دل کا فسانہ ہے

تھا کیا عہدہ اور کیا منصب، مقام اپنا بھلا بیٹھی
کہ اک چنگاری جس سے وجود اپنا جلا بیٹھی

کبھی میسیج اور کبھی فون پر ہی بات ہوتی تھی
خوشی سے دن گزرتا تھا بسر یوں رات ہوتی تھی

تمہارے لہجے میں میرے واسطے محبت تھی عنایت تھی
نہ شکوہ تھا مجھے تم سے، نہ ہی تم کو شکایت تھی

عقیدت کے سوا تمہیں کچھ اور نہ اظہار آتا تھا
تمہاری اس ادا پر بھی مجھے تو پیار آتا تھا

بہت سی ان کہی باتیں بہت سے ان سنے قصے
تمہاری بیگانگی نے کیے آری سے کئی حصے

نہ میری کال سنتے ہو، نہ اب تم فون کرتے ہو
مجھے اب لوگ کہتے ہیں تم ہر ایک سے لڑتے ہو

کہیں اس طرح کوئی بھلا دامن چھڑاتا ہے
کسی کی زیست کی شمع پھونکوں سے بجھاتا ہے

مگر یہ بات مسلم ہے یہاں پر کیا نہیں ہوتا
گماں تھا تم کو یہ صفیہ کوئی مل کر نہیں کھوتا

بہت نادان و احمق ہو کہ یوں اظہار کرتی ہو
تم سب کو کیوں بتاتی ہو کہ اس سے پیار کرتی ہو

چنو خوابوں کے ریزے پھول کلیاں سب مسل ڈالو
یہ جو سر میں سمایا ہے وہ سودا بھی کچل ڈالو

تمہارے بے اثر لفظوں کا اس پر کیا اثر ہو گا
تمہارے بے ثمر جذبوں کا ہرا نہ اب شجر ہو گا

نہیں ہرگز نہیں صفیہ مٹا دو لفظ سارے تم
یہ ہیں کاغذ کے رشتے نہ انہیں جانو سہارے تم

کوئی جب بے سبب روٹھے بتاؤ حشر کر ڈالیں
نہ تم لوگوں سے اب کہنا کہ اس کو نشر کر ڈالیں

جشنِ سالِ نو

صفیہ ہر سال جو تم نظم نئی لکھتی ہو
اپنے لفظوں سے بے مول یونہی بکتی ہو

دیکھ لے چاروں طرف ہیں اور سائل کتنے
دیکھ لے تجھ کو میسر ہیں وسائل کتنے

کسی افلاس زدہ چہرے پر نظر ڈالی ہے
بھوک جس کی نانِ شبینہ کی سوالی ہے

سیلاب نے جس کے گھروندے کو مٹا ڈالا ہے
بادِ صر صر نے چراغوں کو بجھا ڈالا ہے

اور تم چلی ہو نئے سال کا جشن منانے کیلئے
اپنی دولت کو یوں بے جا ہی لٹانے کے لیے

کتنے لوگوں کی یہاں بھوک مٹائی تم نے؟
سوکھی روٹی کبھی پانی سے ہے کھائی تم نے؟

نیو ائیر کا اک کیک جو ابھی کاٹا ہے
اس طرف دیکھ جہاں چینی ہے نہ آٹا ہے

نصفشب کو ہوائی فائرنگ جو کہیں ہوتی ہے
بیٹی مزدور کی چپکے سے بہت روتی ہے

ہائے کیا لوگ جنہیں گولیاں چلانے کو ملیں
یاں سر درد کی گولیاں بھی نہ کھانے کو ملیں

اب تو آؤ کہ ہم ان کو سہارا دے دیں
جو بھنور میں ہیں ذرا ان کو کنارا دے دیں

ان کے دکھ درد مل کے سبھی دور کریں
ان کے غم بانٹ کر ان کو بھی مسرور کریں



نیٹ یوزر

نیٹ یوزرو! تم کو میں قصہ سناؤں پیت کا
ہے سرودِ آخریں ہر لفظ میرے گیت کا

ویب سائٹ تھی تیاری اک سوانحی خاکہ بھی تھا
اک بار پڑھ کر شخصیت کو آپ کی جھانکا بھی تھا

پھر یوں ہوا فیس بک پہ اک روز میں نے چیٹ کی
کیا جانے کچھ لکھ دیا واقف نہ تھی میں نیٹ کی

کی سرزنش آپ نے اور کہا مصروف ہوں
معلوم نہیں تم کو کیا کہنا ہے میں مصروف ہوں

وقت اتنا ہے نہیں کہ بیٹھ کر چیٹنگ کروں
بال ہو جب اتنی دور کس طرح بیٹنگ کروں

خاتون کوئی کام ہے تو آپ مجھے بتلائیے
ورنہ از راہِ کرم لاگ آؤٹ ہو جائیے

اس سرزنش کو پڑھ کے میں خجل سی ہو گئی
تکیے پہ رکھ کے سر روتے روتے سو گئی

معذرت کی میل میں نے میل باکس پہ ڈال دی
اگلے دن خود آپ نے پھر مجھے کال کی

جب میری معذرت آپ نے کر لی قبول
دل کے چمن میں پھر کھل اٹھے چاہت کے پھول

میں نے تم کو ڈئیر تم نے کہا کہ جان ہو
لو سنو! اس دل کے تم ہی آج سے مہمان ہو

دل کو اپنے بس میں کیا لہجہ تھا ایسا دل نشیں
لفظوں میں ایسی چاشنی جیسے کہ شہدِ آ بگیں

ہائے وہ موجِ تکلم جیسے جل پریوں کے گیت
آج سے ہوں میں تمہاری اور تم ہو میرے میت



متفرقات

لکھا خط میں کہ ہم پہ مرتے ہو
اور رقیبوں سا سلوک کرتے ہو



اس کا انداز جون کے مانند
میرے لہجے میں جنوری ہے ابھی
دفترِ عشق میں اے صفیہؔ
برقرار تیری نوکری ہے ابھی



فصیلِ شب سے آگے آ گئی ہوں
دیے سارے بجھا کے آ گئی ہوں

○

برا اتنا نہیں ہے وہ
تمہیں لگتا برا ہو گا
جسے تم جھوٹ کہتی ہو
وہ سچ سب سے کھرا ہو گا

○

رقم ہو جتنی، اسے میں رقم نہیں کرتا
قلم ہو جس کے ہاتھ وہ سر قلم نہیں کرتا

○

مِنت سے اگر صفیہؔ وہ تجھ کو نہیں ملتا
مَنت بھی کبھی اس کے لیے مان لیا کر

○

رو پڑے جب رات کو غم کے مارے ٹوٹ کر
آسماں سے گر گئے کتنے ہی تارے ٹوٹ کر

○

میری آنکھوں میں جو سمندر ہے
ساری دنیا اسی کے اندر ہے

O

دونوں ہاتھوں سے جو لٹاتا ہے
اپنی ذات میں وہ قلندر ہے

O

کی عمر بھر تھی ہم نے شراروں سے دوستی
لیکن کریں گے اب ہم ستاروں سے روشنی
اک روز تو چھپے گی میری موت کی خبر
تم بھی کرلو اب اخباروں سے دوستی

O

فلک ،مہتاب ،جگنو ،چاند ،تارے
ہیں تیرے ہی لیے سب استعارے

O

مجھ کو اپنے گھر بلا ، مجھ کو بھی تو مہمان کر
اے خالق ارض وسما ،یہ زندگی آسان کر

O

وہ لمحہ زندگی میں پھر آئے
اس کی بانہوں کا پھر سے وا ہونا

○

آج ملنے صنم بھی آئے گا
میرے دل نہ تو خدا ہونا
زندگی ہاتھ بھی اگر جوڑے
موت مجھ سے نہ تو جدا ہونا

○

آیا تھا مجھ سے ملنے یا تھا یہ میرا قیاس
رکھا ہے میری میز پر اک اور بھی گلاس

○

درختوں سے لپٹ کر رو بھی لوں تو
مجھے جنگل میں جانے کون دے گا

○○○

تمت بالخیر